خلیل اللہ کی یادگاریں

گر آج بھی ہو ابراہیمؑ کا سا ایماں پیدا

تحریر:- مولانا محمد منشاء کاشف۔ فیصل آباد

> **انسانی عظمت کیلئے قرآن حکیم نے ایک اصول باندھا ہے وہ اسی اصول پر سب کو پرکھتا اور اسی ترازو میں سب کو تولتا ہے۔**

جہاں تک تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے ہمیں اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے کہ انسانوں نے اپنے میں سے بعض بزرگ اور اہم ہستیوں کی بعض یادگاریں منائی ہیں اور اس کی مختلف صورتیں رہی ہیں مثلاً انسانوں کے بت بنائے گئے ہیں ان کی لاشوں پر بڑے بڑے مقبرے کھڑے کیے گئے ہیں اور ان کی ولادت یا وفات کے دن منائے گئے ہیں اور پھر یادگار منانے کے بھی مختلف طریقے رہے ہیں کہیں تو رنگ رلیوں سے ان تہواروں کو منایا گیا کہیں ماتم اور سوگ' آہ فغاں اور نوحہ و غم کی شکل میں اپنے دل کے جذبات کا اظہار کیا گیا اور پھر مرورِ ایام کے ساتھ یہی چیزیں مسخ ہو کر عجیب و غریب شکلیں اختیار کر گئی ہیں اگرچہ ان یادگاروں کی نوعیت منانے کے طریق باہم کتنے ہی مختلف بلکہ اکثر صورتوں میں متضاد ہوں لیکن نتیجہ ان سب یادگاروں کو یقیناً ہمیشہ ایک ہی رہا اور ایک ہی نکلا ہے کہ اس شخصیت میں چاہے اس نے کیسی ہی بے بسی اور مظلومیت میں جان دی ہو۔ اس کے نے کے ساتھ ہی یا تھوڑا ہی عرصہ بعد ہیت کی شان پیدا کر دی گئی ہے وہ لوگوں کے

مصائب کو دور بھی کر دیتی ہے اولاد بھی بخشی اور مالی مشکلات کو رفع بھی کرتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان (بتوں یا قبروں) کے سامنے رکوع و سجود بھی ہوتے ہیں طواف بھی کیے جاتے ہیں۔ نذریں اور نذروں میں بچے تک بھی چڑھائے اور قربان کیے جاتے ہیں۔ قرآن پاک نے اس قبیح رسم کا بصراحت ذکر فرمایا:

وکذالک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاوھم لیردوھم و لیلبسوا علیھم دینھم۔ (انعام پارہ ۸ ایت ۷)

اسی طرح بہت سے مشرک ہیں کہ انکے (ٹھرائے ہوئے) شریکوں نے انکی نظروں میں قتل اولاد (جیسا وحشیانہ فعل بھی) خوشنما فعل کر دکھایا ہے تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈالیں اور انکے دین کی راہ ان پر مشتبہ کر دیں۔

اسلام کا طریق قیام یادگار

جس طرح اسلام نے اور تمام معاملات میں ادیان غیر سے ہٹ کر اپنی نئی اور جدید راہ اختیار کی ہے اسی طرح یادگاروں کے قیام کے معاملہ میں بھی اس نے جو راہ اختیار کی ہے وہ بالکل نرالی ہے وہ راہ ان تمام آسائشوں سے پاک و صاف ہے جن میں پھنس کر دوسرے مذاہب ایسے کھوئے گئے کہ وہ خود ناقابلِ شناخت ہو گئے اور ان کے پیروکار ظلمت بعضھا فوق بعض میں ایسے پھنسے کہ پھر ہدایت و فلاح کی روشنی کو نہ پا سکے۔

اسلام کا اختیار کردہ اصول

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے کسی شخصیت کو محض اس کی شخصیت کی بنا پر لوگوں کے سامنے پیش نہیں کیا یعنی محض یہ کہہ کر اس کو قابل ستائش یا قابل اتباع قرار نہیں دیا کہ وہ نبی ہے حالانکہ نبوت خود انسانیت کا بلند ترین مقام ہے کہ تقویٰ و فلاح کا کوئی مقام اس کے بعد رہ نہیں جاتا بلکہ اس پر نبی کا کردار اور اس کی غیر معمولی بلکہ مافوق صلاحیتوں اور محاسن کو پیش کر کے نسلِ انسانی کو اس کے اتباع کی طرف دعوت دی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی طرف ہی جب بلایا تو آپ کی عظمت اخلاق اور آپ کی اتباع کی افادیت کی

طرف اشارہ فرمایا:

یا یھا الذین آمنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ (انفال)

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جب وہ تمہیں پکارتا ہے تاکہ تمہیں (روحانی) موت کی حالت سے نکال کر زندہ کردے۔

اور فرمایا:

لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین روف رحیم۔ (توبہ)

(مسلمانو) تمہارے پاس (اللہ کا) ایک رسول آگیا ہے جو تمہیں میں سے ہے تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہشمند ہے وہ مومنوں کیلئے شفقت رکھنے والا رحمت والا ہے۔

یادگار کیلئے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کا انتخاب

انبیائے کرام علیہم السلام کی طویل و عریض سلک مقدس میں جس کا ہر پروانہ لولو آبدار ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام ہی کی شخصیت کو کیوں اسوہ حسنہ قرار دیا گیا یعنی تمام آنے والی نسلوں کے لئے ایک یادگار بنادیا اس کے لئے قرآن کریم خود ناطق ہے کہ ان کی حیاتِ مقدسہ کا ایک ایک لمحہ اور اس صحیفہ کا ایک ایک ورق صاحب بصیرت کے لئے اپنے اندر ایک زبردست درس موعظت و عبرت رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانی عظمت کے لئے قرآن حکیم نے ایک اصول باندھا ہے وہ اسی اصول پر سب کو پرکھتا ہے اور اسی ترازو میں سب کو تولتا ہے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم۔ (الحجرات)

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اس اصول پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی شخصیت سے بڑی شخصیت (باستثنائے حضرت ختم المرسلین علیہ الصلوۃ والسلام) اس کائنات کے اندر کوئی نہیں جس کا ہر فعل اپنے حسن و خوبی کے لحاظ سے قابل اتباع ۔۔۔۔۔ مگر اپنی عظمت و بلندی کے لحاظ سے ناقابل وصول ہے جب انہوں نے ہوش سنبھالا ہے اور اپنے ماحول پر نظر ڈالی تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے خاندان اور ان کی قوم و ملک کا ہر شخص ستارہ پرستی میں مبتلا ہے مگر جب انہوں نے اجرام سماوی اور ان کے نظام سماوی میں نظر کی تو ان کی فطرت حق شناس اور ان کے وجدان حقیقت بین نے خود اس نظام کے اندر ہی ان کے قابل پرستش ہونے کا بطلان پا لیا۔ چنانچہ:

فلما جن علیہ اللیل راکوکبا قال ھذا ربی فلما افل قال لا احب الآفلین۔ فلما را القمر بازغا قال ھذا ربی فلما افل قال لئن لم یھدنی ربی لا کونن من القوم الضآلین۔ فلما را الشمس بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر فلما افلت قال یقوم انی بری مما تشرکون۔ (سورۃ الانعام آیت ۷۶ تا ۷۸)

"پھر جب ایسا ہوا کہ اس پر رات کی اندھیری چھاگئی تو اس نے (آسمان پر) ایک ستارہ دیکھا (چمکتا ہوا) اس نے کہا یہ میرا پروردگار ہے (کہ جس کی سب لوگ پرستش کرتے ہیں) لیکن جب وہ ڈوب گیا تو کہا نہیں میں انہیں پسند نہیں کرتا جو ڈوب جانے والے ہیں۔ (یعنی طلوع و غروب ہوتے رہتے ہیں) پھر جب ایسا ہوا کہ چاند چمکتا ہوا نکل آیا تو ابراہیم نے کہا کیا یہ میرا پروردگار ہے لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھائی ہوتی تو میں اسی گروہ میں سے ہوجاتا جو سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے پھر (جب صبح ہوئی اور) سورج چمکتا ہوا طلوع ہوا تو ابراہیم نے کہا یہ میرا پروردگار ہے یہ سب سے بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہوگیا تو اس نے کہا اے میری قوم تم جو کچھ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے میں اس سے بیزار ہوں۔"

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کا استدلال نہایت صاف و سادہ' وہ فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کو تم حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کی پرستش کر رہے ہو وہ خود زبان حال سے اپنی معذوری و مجبوری اور اپنی ناپائیداری کا اعلان کر رہی ہیں ان کا خاص اور معینہ اوقات میں طلوع و غروب اس امر کا بولتا ہوا اعلان ہے کہ ان کا آنا اور جانا اور اس پابندی کے ساتھ آنا اور جانا کسی قادر و قیوم' حاکم مطلق کی فرمانروائی کے ماتحت ہے جس کے حکم سے سرتابی کی انہیں مجال نہیں۔

ولہ اسلم من فی السموت والارض طوعا و کرھا و

الیہ یرجعون۔ (آل عمران آیت ۸۳)

و تلک حجتنا اتینھا ابراھیم علی قومه نرفع درجت من نشاء۔ (سورۃ الانعام ایت ۸۳)

اس کے بعد وہ جب ذرا سن شعور کو پہنچتے ہیں تو اپنے باپ آزر کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہیکل کا بڑا پجاری اور محافظ ہے ہیکل میں سب سے بڑا بت سورج (شمس) کا تھا اور اس کے ماتحت چاند کا بت تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مولد شہر اوز کا محافظ تھا اب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی تبلیغ اپنے گھر یعنی اپنے باپ سے شروع کی جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا:

"یابت لم تعبد ما لا یسمع ولا یبصرولا یغنی عنک شیأ۔ یابت انی قد جاء نی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اهدك صراطا سوایا۔ یابت لا تعبد الشیطن ان الشیطن کان للرحمن عصیا۔ یابت انی اخاف ان یمسک عذاب من الرحمان فتکون للشیطن ولیا" (مریم)

اس وقت کا ذکر ہے جب اس نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ تو کیوں ایک ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے جو نہ تو سنتی ہے نہ دیکھتی ہے نہ تیرے کام آسکتی ہے اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ الرحمٰن کی طرف سے کوئی عذاب تجھے آلگے اور تو شیطان کا ساتھی ہو جائے۔

موت یا دیس نکالا

جب ان کا باپ ان کے کھلے ہوئے دلائل کے مقابلہ میں بالکل لاجواب ہو جاتا ہے تو وہ آخری حربہ استعمال کرتا ہے یعنی اگر تو اس تبلیغ سے باز نہیں آئے گا تو یا تو میرے گھر سے نکل جاورنہ میں تجھ کو سنگسار کر دوں گا۔

قال اراغب انته عن الھتی یاابراھیم لئن لم تنته لا رجمنک واھجرنی ملیأ۔

باپ نے (یہ باتیں سن کر) کہا کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ اگر تو ایسی باتوں سے باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا اپنی خیر چاہتا ہے تو جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا۔

حضرت خلیل اللہ کا چیلنج

حضرت خلیل اللہؑ نے سمجھ لیا کہ عقل وبصیرت کی کوئی صدا یہاں اثر پذیر نہ ہوگی اور عرفان و وجدان کی کوئی روشنی انہیں راہ راست پر نہیں لائے گی تو وہ بھی گرج کر بولے:

و تاللہ لا کیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین۔ (الانبیاء ۵۷)

خدا میں ضرور تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا جب تم سب پیٹھ پھیر کر چل دو گے۔

یہ کہہ کر انہوں نے اپنے باپ کے گھر کو خیر باد کہہ دیا اور جو کچھ کہا تھا اسے سچ کر دکھایا۔

فجعلھم جذاذا الا کبیرا لھم لعلھم یرجعون۔ (الانبیاء آیت ۵۸)

چنانچہ (اس نے ایسا ہی کیا) اس نے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا صرف ایک بت جو ان میں سے بڑا سمجھا جاتا تھا چھوڑ دیا۔

راہ حق کی بڑی اور پہلی آزمائش

ظاہر ہے کہ جس قدر یہ فعل سنگین تھا اور اس کا رد عمل بھی اسی قدر سخت ہونا چاہئے تھا۔ چنانچہ کالیا کے اس وقت کے دستور کے مطابق جہاں سنگین مجرموں کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ حضرت خلیل اللہ کیلئے چتا چتا تیار کی گئی اور جب اس کے شعلے بھڑک اٹھے تو انہیں اس میں پھینک دیا گیا آگ میں پڑنے کو تو سینکڑوں لوگ پڑتے اور جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں لیکن آگ میں پڑتے وقت عزیمت وا ستقامت اور اعتماد علی اللہ اور انابت الی اللہ کا جو مظاہر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا وہ انہی کا حصہ تھا۔ ملائکہ حاضر ہوتے اور مدد دینے کی خواہش کرتے ہیں لیکن وہ اللہ کا حنیف بندہ حسبی اللہ کہہ کر آگ میں کود جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اتنے بلند نظر آتے ہیں کہ آپ کی گرد تک بھی رسائی ممکن نہیں:

و فی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔

آگ کا ٹھنڈا ہونا اور ترک وطن

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگ کو حکم ہوتا ہے:

یانارکونی بردا و سلاما علی ابراھیم۔

ترجمہ:- اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لئے سلامتی والی۔

لیکن اس کے بعد دوسری آزمائش شروع ہوتی ہے یعنی ان کی سرزمین ان پر تنگ ہو جاتی ہے وہ حکومت وقت کے فیصلے کو "انی

ذاھب الی ربی سیھدین" (میں اپنے پروردگار کی راہ میں کسی طرف کو چلا جاتا ہوں وہ مجھے کسی اچھے ہی ٹھکانے لگا دے گا) کہتے ہوئے خیر باد کہہ دیتے ہیں عین اسی وقت آپ نے یہ دعا بھی مانگی تھی۔

"رب ھب لی من الصالحین۔"

اے میرے پروردگار مجھے ایک نیک سیرت اور تندرست بچہ مرحمت فرما۔ ہجرت فی سبیل اللہ کی یہ پہلی برکت تھی کہ ایک غلام حلیم (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی۔ حضرت اسماعیلؑ فلسطین ہی میں پیدا ہوئے۔

سرزمین حجاز میں اقامت پذیری

اس کے بعد قرآن حکیم ہمیں وہ عظیم واقعہ یاد دلاتا ہے جب کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملتا ہے اور وہ اپنی بیوی حاجرہ اور ان کے بچے حضرت اسمٰعیلؑ شیر خوارگی کی حالت میں مکہ کی بے آب و گیاہ سرزمین پر چھوڑ دیتے ہیں (اور جس جگہ اب کعبۃ اللہ ہے اسی مقام پر ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے) اس وقت مکہ میں آدمی کا نام و نشان نہ تھا نہ وہاں پانی کا وجود تھا۔ خیر حضرت دونوں کو وہاں چھوڑ گئے اور ایک تھیلہ کھجور کا ایک مشکیزہ پانی کا دے گئے خود اپنے ملک شام کو چل دیئے۔ (جہاں حضرت سارہ تھیں) جب حضرت ابراہیم جانے لگے تو حضرت حاجرہ کہنے لگیں ابراہیم تم کہاں چلے ہم کو اس جنگل میں چھوڑے جاتے ہو جہاں آدمی کا پتہ تک نہیں نہ کوئی چیز ملتی ہے کئی بار پکار پکار کر حضرت ہاجرہ نے یہ کہا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ادھر دیکھا تک نہیں (جواب دینا تو کجا) آخر حضرت ہاجرہ نے ان سے کہا کیا اللہ کا حکم ایسا ہی ہے انہوں نے کہا ہاں تب حضرت ہاجرہ نے کہا پھر تو اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت کرے گا ہم کو ہلاک نہیں کرے گا۔ یہ کہہ کر حضرت ہاجرہ واپس آئیں۔ (سبحان اللہ کس جگرے کی عورت تھیں) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اس پہاڑی پر پہنچے جہاں دکھائی نہیں پڑتے تھے۔ (جس پہاڑی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تھے) تو ادھر رخ کیا جہاں اب کعبہ ہے وہیں ہاجرہ اور اسمٰعیل کو چھوڑ کر آئے تھے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا کی:

ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم ربنا لیقیموا الصلوۃ فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم وارزقھم من الثمرات لعلھم یشکرون۔ (ابراہیم آیت ۳۷)

اے میرے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے معزز گھر کے قریب چٹیل میدان میں جہاں کھیتی نہیں ہوتی لا بسایا ہے پروردگار میں یہ اس لئے کیا ہے کہ یہ لوگ نماز ادا کریں سو تو لوگوں کے دلوں کو اس کی طرف مائل کر دے اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ وہ تیرا شکر کریں۔

ادھر ہاجرہ کا یہ حال گزرا وہ حضرت اسمٰعیل کو دودھ پلاتی اور مشک میں سے پانی پیتی رہیں جب پانی ختم ہو گیا تو خود بھی پیاسی ہوئی بچہ کو بھی پیاس لگی بچہ کو دیکھا وہ پیاس کے مارے تڑپ رہا ہے پانی کی تلاش میں کوہ صفا پر چڑھ جاتی ہیں کہ شاید کہیں دور و نزدیک پانی نظر آ جائے وہاں سے ناامید ہو کر دوسری پہاڑی مروہ پر جاتی ہیں اسی جستجو میں سات چکر لگاتی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی قدرت نے وہیں سے پانی کا چشمہ نکال دیا ہے جہاں یہ معصوم بچہ لیٹا ہوا ہے۔ یہ سارا سفر وادی غیر ذی زرع کی شکیب آزما سکونت چونکہ اللہ کے حکم سے تھی اس لئے اللہ کی نظروں میں یہ اقامت اور صفاء و مروہ کی دوڑ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں یہاں تک مقبول ٹھہری کہ ملت ابراہیمی میں اس رسم کو ابدالاباد تک بطور یادگار جاری کر دیا گیا۔

اس کے بعد کی حضرت خلیل اللہ علیہ والسلام کی ساری زندگی اسی سرزمین حجاز ہی سے وابستہ ہے جس کی ہر آنے والی منزل ایثار و فدایت فی سبیل اللہ کے لحاظ سے اپنی ماسبق سے عظیم تر اور بلند تر ہے چنانچہ جب حضرت اسماعیل اپنے پدر بزرگوار (علیہما السلام) کے ساتھ اندر باہر آنے جانے لگے (فلما بلغ معه السعی) تو مقدس باپ (ابراہیم) آٹھویں شب ذی الحجہ کو خواب دیکھا کہ بیٹے کو ذبح کرتا ہوں کل کو فکر میں رہے کہ اس کی تعبیر کیا پھر نویں شب دیکھا ذبح کرتے تو پہنچانا کہ ذبح ہی کرنا ہے پھر اپنے تدبیر میں پھر دسویں شب دیکھا وہی خواب۔ صبح اٹھ کر اپنے بیٹے سے یوں گویا ہوئے:

"یٰبنی انی آری فی المنام انی اذبحک فانظر ما ذا تریٰ۔"

میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں پس بتا کہ تیری اس میں کیا رائے

ہے۔ بیٹے نے وہی جواب دیا جو ایک سعادت مند اطاعت شعار بیٹا اپنے مقدس باپ کو دے سکتا ہے:

"قال یابت افعل ماتو مر ستجدنی انشاء الله من الصابرین۔" (الصافات آیت ۱۰۲)

ابا جان آپ کو جو حکم ہوا ہے (بے تامل) اس کی تعمیل کیجئے انشاء اللہ آپ مجھ کو (بھی) صابر ہی پائیں گے۔

تاریخ انسانی اس سے بہتر باپ بیٹے کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ انسانی تاریخ کا ایک ایسا محیر العقول واقعہ ہے کہ جس کی نظیر نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ملتی ہے نہ بعد میں تھوڑی دیر کے لئے آپ اس صورت حال کو اپنے سامنے لائیے کہ جو بیٹا دعاؤں سے ملا ہو اور وہ اکیلا بھی ہو وہ کس قدر عزیز و محبوب ہو سکتا ہے اس کا تصور کچھ وہی باپ کر سکتے ہیں جن کو ایسی ہی عمر میں اولاد نصیب ہوئی ہو لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی بیٹا اس قابل ہوا ہے کہ وہ باپ کے ساتھ اندر باہر آنے جانے لگے۔ بعض کاموں میں شرکت کرنے لگا ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے جب ماں باپ کی محبت شباب پر پہنچ کر چکی معمولی سے معمولی تکلیف انہیں سراسیمہ و پریشان کر دیتی ہے کیونکہ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب ان کی زندگی کی تمناؤں کے پورا ہونے کا ہوتا ہے ایسے وقت میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو خواب میں اس کے ذبح کرنے کا حکم ملتا ہے خواب سے بیدار ہونے پر وہ اپنا خواب بیٹے سے بیان کرتے اور اس کی رائے دریافت فرماتے ہیں۔ یہاں یہ نکتہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ حضرت خلیل اللہ اپنا خواب صرف بیٹے سے بیان فرماتے ہیں اور اس کی والدہ یعنی بیوی حاجرہ سے مطلق ذکر نہیں کرتے وہ اگر بیٹے کی صلاحیتوں سے آگاہ ہیں۔ (فبشرنہ بغلام حلیم) تو ماں کی بے پایاں اور اتھاہ محبت سے بھی بے خبر نہیں وہ بیٹے کو ساتھ لئے جا رہے ہیں اور چھری تیز کی ہوئی بغل میں ہے تو راستے میں طرح طرح کے وسواس ان کے دامنگیر ہوتے ہیں وہ کنکریوں سے ایسے شیطانوں کو دور کرتے ہیں جو مرئی یا غیر مرئی طور پر ان کے ارادہ میں حائل ہوتے ہیں تا آنکہ وہ مقام آ جاتا ہے جب:

فلما اسلما و تله للجبین۔

پس جب وہ دونوں مسلمان ہو گئے اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل گرا دیا۔ اس حکیم مطلق دانائے پنہاں و آشکارا کی آزمائش پسندی پہ قربان جائیے کہ باوجود سب کچھ جانتے اپنے بندوں کو مسلم کا ڈپلومہ اس وقت تک نہیں دیتے جب تک کہ انہیں شدید ترین ابتلاء و امتحان میں سے گزار نہیں لیتے اور پھر جب اس کی کامیابی پر خوش ہوتے ہیں تو وہ خوشی بھی بے پایاں اور اس کا انعام بھی غیر محدود اور غیر فانی:

"یاابراہیم قد صدقت الرء یا انا کذلک نجزی المحسنین۔ ان هذا لهوا لبلوء المبین۔ و فدینه بذبح عظیم۔ و ترکنا علیه فی الاخرین۔ سلم علی ابراهیم۔ کذالک نجزی المحسنین ۔ انه من عبادنا المومنین۔" (الصافات)

اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو خوب سچ کر دکھایا اب ہم تم کو مراتب عالیہ پر فائز کریں گے) اور نیک بندوں کو ہم ہی بدلہ دیا کرتے ہیں بے شک یہ کھلی ہوئی آزمائش تھی اور ہم نے بڑی قربانی کی شکل میں اسے اسمٰعیل کا فدیہ دیا اور ابراہیم کے بعد آنے والی امتوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا کہ (سارے جہان میں یہی آواز ہو رہی ہے) ابراہیم پر سلام۔ ہم نیک بندوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ ابراہیم بھی ہمارے ایماندار بندوں میں ہیں۔

یادگار عظیم

ترکنا علیه فی الاخرین

کے الفاظ سے ظاہر ہے جب تک امت مسلمہ دنیا میں موجود ہے ابراہیم علیہ السلام کی اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کی یادگار کے طور پر کھاتے پیتے مسلمان پر قربانی کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ پس وہ نادان جو اس قربانی کی قیمت کو کسی دوسرے قومی اور ملی مصرف میں صرف کر دینے کی اجازت دیتے ہیں وہ رموز شریعت سے قطعاً ناواقف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جاری کردہ سنت کو ختم کر دینا چاہتے ہیں قربانی کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا پس جو قربانی کی استطاعت رکھتا ہے اسے قربانی ہی کرنی چاہئے کہ مقصود اہراق دم ہے دگر ہیچ۔

قربانی کے پیش نظر مقاصد

اس اہراق دم میں امت مسلمہ کے سامنے اس حقیقت کو تازہ رکھنا ہے کہ اسلام خدا کی راہ میں اپنی عزیز ترین متاع کو قربان کرنا اور خود قربان ہو جانا ہے اس کے ساتھ ہی ابراہیم علیہ السلام کے اپنے عمل سے اور خدا کی طرف سے اس کی قبولیت کے انعام میں یہ حقیقت بھی

مضمر ہے کہ اگرچہ زندگی خدا کی خوشی ہے اور اسی کی راہ میں صرف ہونی چاہئے لیکن انسان کی قربانی کسی نام پر کسی حیلے سے کسی غیبی اشارہ سے نہیں جاسکتی۔

تعمیر کعبہ

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیل ایک معمار تھا جس بناء کا

حضرت خلیل اللہ اور ذبیح اللہ علیہ السلام جب تمام جانی اور مالی امتحانات سے کامیابی کے ساتھ نکل چکے تو ان کے ذمہ اس معبد کی تعمیر کا کام لگایا گیا جو امت مسلمہ کے لئے ابد الاباد تک مرکز کا کام دے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت خلیل اللہ کو امامت کا تاج تو اسی وقت پہنایا گیا تھا جب وہ ابتدائی آزمائشوں میں پورے اترے تھے۔

”واذا ابتلی ابراہیم ربه بکلمت فاتمهن قال انی جاعلك للناس اماما۔“ (البقرة)

اور پھر غور کردہ واقعہ جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا تھا اور وہ ان میں پورا اترا تھا جب ایسا ہوا تو اللہ نے فرمایا ”اے ابراہیم! میں تجھے انسانوں کے لئے امام بنانے والا ہوں“ یعنی دنیا کی آنے والی قومیں تیری دعوت قبول کریں گے تیرے نقش قدم پر چلیں گے۔

لیکن اس وقت تک کوئی ایسی جگہ نہیں متعین ہوئی تھی جو ان کا اور ان کے بعد آنے والی نسلوں کے لئے مرکز کا کام دے وہاں سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہ ہو اور جو ان تمام لوگوں کیلئے جو خدائے واحد پر ایمان رکھتے ہوں مرکز توجہ ہو جائے وہ دنیا کے کسی گوشہ میں رہتے ہوں اور جو زندگی میں کم سے کم ایک مرتبہ تمام گوشوں سے سمٹ کر یہاں آسکیں اور جہاں ان کے امن و سکون میں کوئی مخل نہ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ ایسا مرکز بنانے کے لئے ایسے ہاتھوں کی ضرورت تھی جو تقویٰ اور خدا پرستی کے بلند ترین مقام پر فائز ہوں اور جو اس راہ کی سخت ترین آزمائشوں اور ابتلاؤں میں سے گذر چکے ہوں۔ پس کام کے لئے ان باپ بیٹوں علیہما السلام سے زیادہ کون موزوں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ اس مقدس گھر کی تعمیر میں جو کرہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی عبادت گاہ کی تعمیر ہے ان دو ہاتھوں کے سوا کوئی تیسرا ہاتھ نہیں لگا۔ اس کی پہلی اینٹ سے لے کر آخری کونے کی اینٹ تک انہی دو مقدس ہاتھوں کی لگائی ہوئی ہیں۔ جب وہ مقدس ہاتھ اس گھر کی تعمیر میں مصروف تھے تو ان کے دل اور زبانیں یوں مصروف دعا تھیں:

واذ يرفع ابراهيم القواعد من البيت و اسماعيل ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم۔ ربنا واجعلنا مسلمين لك و من ذريتنا امة مسلمة لك و ارنا مناسكنا و تب علينا انك انت التواب الرحيم۔ (البقرہ)

ترجمہ:- اور پھر دیکھو (وہ کیسا عظیم الشان اور انقلاب انگیز وقت تھا) جب ابراہیم خانہ کعبہ کی نیو ڈال رہا تھا اور اسماعیل بھی اس کے ساتھ شریک تھا۔ (ان کے ہاتھ پتھر چن رہے تھے اور دل و زبان پر یہ دعا جاری تھی) اے پروردگار ہمارا یہ عمل تیرے حضور قبول ہو' بلاشبہ تو ہی ہے جو دعاؤں کو سننے والا اور (مصالح عالم کا) جاننے والا ہے۔ اے پروردگار (اپنے فضل و کرم سے) ہمیں ایسی توفیق عطا فرما کہ ہم سچے مسلم (یعنی تیرے حکموں کے فرمانبردار) ہو جائیں اور ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی امت پیدا کر دے جو تیرے حکموں کی فرمانبردار ہو خدا ہمیں ہماری عبادت کے (سچے) طور طریقے بتلا دے اور ہمارے قصوروں سے درگزر فرما۔ بلاشبہ تیری ہی ذات ہے جو رحمت سے درگزر کرنے والی ہے۔

اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا فرمانبردار بنائے اور ہمیں قرآن و حدیث کی اشاعت ' خطابت ' امامت اپنی رضا کے لئے توفیق فرمائے اور ہماری دنیا اور آخرت بہتر بنائے اور اچھے یعنی صالحین کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین

دنیا کا سب سے بڑا انسان

عظیم مفکر بلند پایہ خطیب' پیغمبر' قانون ساز' سپہ سالار' تصورات اور عقائد کا فاتح' سچے نظریہ حیات کو قائم کرنیوالا' باطل خداؤں اور صنم پرستی اور وہی و گمان کو مٹانے والا' بیس دنیاوی سلطنتوں کا بانی اور ان پر ایک آسمانی روحانی بادشاہت کا نقیب ہے۔ یہ ہے محمدؐ! انسانی عظمت کو ناپنے کے جتنے پیمانے لا سکتے ہو لے آؤ اور پھر خود سے پوچھو کیا دنیا میں اس سے بڑا انسان بھی کوئی گزرا ہے؟ (ایلفونس لیمرٹین)

محمدؐ کا پیغام فطرت کے دل سے اٹھتی براہ راست آواز ہے۔ اسکے مقابلے میں باقی جو کچھ ہے ہوا سے ہلکا ہے۔ (تھامس کارلائل)